Dr. Ambreen Munir

Principal, Govt. Associate College for Women, Band Road, Lahore

ڈاکٹر عنبرین منیر

پرنسپل گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین بند روڈ، لاہور

غالب اور فیض حریت فکر کے شاعر

GHALIB AND FAIZ: POETS OF FREEDOM THOUGHT

Abstract: There us great importance given to freedom of expression in Faiz's poetry. This reminds us of the voice given to the modern man in Ghalib's poetry. Although Ghalib didn't directly criticise that restrictions on the feudal system but based on intellectual reasoning, he established freedom of expression can be the case of rebellion and disharmony in any society. This similarity highlights their love for humanity and both the poets' emphasis on the human right to express themselves.

Keywords: Expression, modern man, feudal system, rebellion, disharmony

فیض آزادی فکر کا نصب العین رکھنے والے شاعر ہیں۔ فیض اپنے کلام میں حریت فکر اور آزادیِ اظہار کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے باعث غیر محسوس طریقے سے غالب کی موحدانہ سوچ کو اپنی دسترس میں لے آتے ہیں اور یوں غالب کے گزرنے کے تقریباً سو سال بعد فیض جیسے ترقی پسند شاعر حریت فکر کے لئے زبان کھولتے ہوئے اپنے موضوع اور اسلوب میں غالب سے جڑ جاتے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی غالب حالی اور ترقی پسندوں کی کڑیاں آپس میں جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "---حالی اور ترقی پسند نظریہ کے درمیان ہونے والی شاعری کو غالب کا سہارا حاصل تھا۔ اسی طرح ترقی پسند نظریئے نے بھی غالب سے مسائلِ حیات پر تفکر اور زندگی کی غیر رومانی یعنی "غیر شاعرانہ" پہلوؤں کو شعر میں برتنے کے طریقے سیکھے۔ ترقی پسند نظریہ انسان کی بنیادی عظمت اور خوبی کا قایل تھا اور انسان پر انسان کے جبر کے خلاف صف آرا تھا۔ ترقی پسند نظریہ اور حالی میں یہ بات مشترک تھی کہ دونوں روایتی شاعری سے نالاں تھے اور انسان کو شاعری میں اس کا اصل دلانے پر مصر تھے۔ یہاں بھی غالب ان کے کام آئے کیونکہ کہ غالب کا تفکر اور حقائق تک پہنچنے کا میلان روایتی شاعری کی نفی کرتا تھا اور ان کا خوددار، خودبیں، باوقار انسان وہ پسماندہ اور قدموں تلے کچلا ہوا شخص نہیں تھا جس کی تصویر ترقی پسند نقادوں کو عام اردو شاعری میں دکھائی دیتی تھی۔ ترقی پسند نقادوں کو غالب میں احتجاج اور بغاوت کے عناصر نظر آئے۔ اور اسی طرح غالب کے زیر اثر ان کے اس نظریہ کو تقویت پہنچی کہ شاعر کا کام یہ ہے کہ وہ قوم کا ضمیر بن جائے۔" (۱)

گویا انسانی عظمت کا پاسدار ایک خودبیں شخص ہی ہو سکتا ہے اور احساسِ ذات کی کلاسیکی غزل میں سب سے گونجدار آواز غالب کی ہے۔ یہ غالب ہی ہیں جنھوں نے کلام میں ترقی پسند تحریک کی ابتداء سے بہت پہلے جدید حرّیت فکر کو اپنے کلام میں مرکزی رجحان بنایا اسی رجحان نے غالب کے کلام کو دوآتشہ بنا دیا۔ غالب روایتی معاشرے میں اظہار پر لگی جکڑ بندیوں کو ہی نہیں للکارتے بلکہ ایسے سوالات بھی اٹھاتے ہیں جو بدلتے ہوئے

حالات و تجربات کی تفہیم کے لئے ناگزیر ہیں۔ وہ انسانی عظمت کی منزل کے لئے حرّیت فکر کو سنگ میل قرار دیتے ہیں اور معاشرتی روایتی اور مذہبی رسموں کے تحت پروان چڑھنے والی رسوم کو برملارد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہم موحد ہیں، ہمارا کیش ہے ترک رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں (۲)

وہ روایت کے زیر نگیں رہ کر جینے کو زندگی نہیں گردانتے ان کے نزدیک باوقار زندگی کے لئے جدوجہد ہی حیات کا ثبوت ہے۔ عمل کی آزادی، فکر کی آزادی کے بغیر ممکن ہی نہیں:

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قایل

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے (۳)

اب سوال یہ ہے کہ حرّیت فکر سے کیا مراد ہے۔ اس کے جواب میں محمود شام صاحب کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب indifference in the time of extremism میں کچھ یوں دیتے ہیں کہ شہنشاہت، فیوڈل سرداری اور آمرانہ تسلط کے دور میں فرد کی طرز حیات، طرز بیاں اور طرز تفکر زنجیروں میں جکڑی جاتی ہے۔ یہی پابندی انھیں بے حس اور معاشرتی مفاد سے بے گانہ کرتی ہے۔ نتیجتاً معاشرہ جمود اور زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ محمود شام اس حوالے سے جو سوالات اٹھاتے ہیں وہ غالب اور فیض کے شاعرانہ سوالات سے مختلف نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> Does individuality matter in the country? Does the state respect the status of citizen? Do individuals collate to make up a state or does the state create individuals who contributed meaningfully?(۴)

غالب ترقی پسندوں کی مانند سرداری، فیوڈل اور شاہی نظام کے براہ راست مخالف تو نہ تھے لیکن تقلید محض کی بجائے اجتہاد، نئی سوچ اور تگ و تاز میں سماجی ارتقاء اور بقا ضرور دیکھتے تھے۔ وہ فکر اور اظہار کی آزادی کے لئے اپنی ذات کو مرکز بنا کر مختلف نقطہ نظر سے اشعار لکھتے ہیں۔ وہ سائنسی، تجرباتی اور عقلی دلیل کے ساتھ اظہار کی پابندی کو فساد کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

یہی نہیں غالب نئی سوچ، نئی تخلیقی توانائی اور نئے انداز سے حیات نامہ کے سوالات کے تلاش کرنے کے اس حد تک قایل ہیں کہ وہ کوہ طور پر بھی نئے رنگ ڈھنگ سے جا کر نیا جواب لینے کی جستجو میں بے قرار نظر ہو جاتے ہیں۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی (۵)

انقلاب نئی سوچ اور حریت فکر کی ترنگ میں وہ عشق کی دنیا کے بڑے بڑے ناموں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور عشق اور خمار رسوم میں چور رویوں کو یکجائی کے قابل نہیں جانتے بلکہ خمار رسوم و قیود میں کھوئے رہنے والوں کے یکسر خلاف ہیں:

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد

سر گشتۂ خمار رسوم و قیود تھا (٦)

ڈاکٹر وزیر آغا اپنے مضمون ''غالب اور فیض'' میں لکھتے ہیں:

''بقول غالب جب طبع رکتی ہے تو اور بھی رواں ہوتی ہے۔ روانی سے تو انکار نہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ غالب رکاوٹ کے عمل کا شکوہ سنج ہمیشہ رہا اور اسے ہر وہ شہ یا عمل ناگوار محسوس ہوا جس نے اس پر کسی قسم کی بندش عاید کی یا کم از کم جس پر اسے بندش یا بھیڑ چال کا گمان ہوا۔ چنانشہ وہ سماجی کھائیوں یعنی Social Grooves سے ہمیشہ متنفر اور کھائیوں Cliches سے ہمیشہ نالاں رہا۔"(۷)

غالب ایک فکر رسا ذہن کے مالک تھے ان کی شاعرانہ شخصیت کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے حال کے علم و دانش کے دائرے میں مقید ہونا قبول نہیں کیا بلکہ آنے والے مغربی تجربیت پسندی کی جانب قدم بڑھایا اور جذبے اور فکر کی آمیزش سے اپنے تخلیقی قلم کو ایک نئے رنگ میں ڈبو دیا جس میں کئی استعاروں نے بیک وقت جذبے اور فکر کی نئی تعبیر اور تشریح کا فریضہ انجام دیتے ہوئے نئی زندگی پائی۔ ان کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں جن میں غالب صرف روشن خیال قاری سے ہی مخاطب ہیں:

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے (۸)

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

مرے بت خانہ میں، تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو (۹)

غالب نے عشق حقیقی اور عشق مجازی میں تصور جاناں کئے ہوئے اپنے قاری کو روزگار کے غموں کی دلفریبی سے بھی خبردار کیا۔ جو ایک سطح پر سرمایہ دارانہ تمدن کی تباہ کاریوں کا کنایہ ہے:

غم اگرچہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے

غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا　　(۱۰)

مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں ہر چیز کی قیمت لگتی ہے خواہش کی بھی قیمت ہے۔ شہر آرزو کا آئینہ تمثال دار ٹوٹ چکا ہے۔ سادہ لوح انسانوں کو وہموں میں مبتلا کر کے زبان بندی پر مجبور کرنا غالب کو بہت اذیت دیتا۔ اسی لئے وہ عشق کی طاقت اور فکر کی توانائی سے ہر قسم کے استحصالی فضا کو بدلنے پر اصرار کرتے ہے۔ اردو شاعری میں غالب کی حریت پسند کا یہ پہلو کچھ ایسے سوالات بھی اٹھاتا ہے جو بعد میں آنے والے شاعروں کی طویل نظموں کی بنیاد بنی مثال کے طور پر مندرجہ ذیل شعر اقبال کی نظم شکوہ کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے:

ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں (۱۱)

غالب کو روایتی معاشرہ اور تمدن کسی قید خانے سے کم نہیں لگتا تھا اور آزادی فکر ہی اس قید خانے کو توڑ کر انسان کو عندلیب گلشن ناآفریدہ بناتی ہے۔ڈاکٹر محمد علی صدیقی اپنی کتاب غالب اور آج کا شعور میں لکھتے ہیں:۔

''غالب نے جدید فکر کے لیے پر تپاک فضا مہیا کرنے کے لیے کام کیا تھا۔"(۱۲)

غالب کے کلام میں روایتی رسوم اور عقائد کے خلاف آزادہ روی کی منادی ان کے بعد آنے والی نسل میں بھی سنائی دیتی ہے۔حالی،اقبال اور پھر فیض جب جب انسان دوستی، صحت مند معاشرے کے تصور اور خود شناسی پر قلم اٹھاتے ہیں تو حریت فکر کو بھی حرز جاں بناتے ہیں۔سوال صرف یہ ہے کہ ایک بڑے شاعر کے گزرنے کے بعد تقلید محض کرنے والے شاعر فنی شہرت حاصل کر بھی لے تو بقائے دوام کی مسند تک نہیں پہنچتے اور یہ بھی سچ ہے کہ ہر شاعر اپنے موضوعات اور اظہاری پیرائے خود تخلیق کرتا ہے پھر غالب اور فیض دو ممکنہ ادوار میں ایک دوسرے سے کیونکر مل سکتے ہیں۔اس سلسلے میں مختلف آراء ملتی ہیں شمس الرحمن فاروقی اپنے مضمون ''اردو شاعری پر غالب کا اثر میں لکھتے ہیں:

''بڑے شاعر کا اتباع اول تو ممکن ہی نہیں لیکن اگر ممکن بھی ہے تو اس کے بہت بعد ہی ممکن ہے، کیونکہ اس وقت تک اس کی شاعری کے بہت پہلوؤں کو اچھی طرح کھنگالا جا چکا ہوتا ہے۔اس کے افہام کی سطح بلند ہو چکی ہوتی ہے۔یہ بھی سچ ہو سکتا ہے کہ کئی صدیوں کے بعد شاعروں کا ذہن پھر اسی قسم کے تجربات سے روشناس ہونے لگے جو ماضی میں ہمارے بڑے شاعر کو پیش آئے تھے۔" (۱۳)

گویا غالب کے بعد جب جب ان کے دور سے ملتے انتشار، شکستگی اور الجھاو کے حالات پیدا ہوئے تب تب غالب کے بعد کی نسل کی کلام میں کسی حد تک غالب سے فکری مماثلت دریافت کی جا سکتی ہے اس حوالے سے ایک امریکن نقاد Harold Bloom کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔اس نے فرائڈ کے ایڈی پس کمپلکس کے تصور کو ادب پر منطبق کر کے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ہر بڑا شاعر اپنے پیش روسے انحراف کے باوجود اس سے متاثر ہوتا ہے۔ان دونوں آرا کی روشنی میں اگر ہم غالب اور فیض کے کلام پر غائرانہ نظر ڈالیں تو وہ دو مختلف ادوار کے شاعر ہونے کے باوجود فردیت پسند شاعر ہیں اس لئے آزادی فکر کے تصور میں یکساں پر جوش نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ غالب اور فیض کی روشن خیالی میں مماثلت کے حوالے سے کئی نقادوں نے لکھا مثال کے طور پر شمس الرحمن فاروقی کا ''مضمون'' اردو شاعری پر غالب کے اثرا،وزیر آغا کا مضمون غالب اور فیض، ڈاکٹر محمد علی صدیقی کا مضمون غالب اور آج کا شعور میں حریت فکر اور اجتہادی فکر کی بات ضرور ہوئی۔فیض کا پہلا مجموعہ نقش فریادی جہاں غالب کے دیوان کے پہلے شعر کی یاد دلاتا ہے وہاں فریاد اور اظہار اور اس سے پیدا ہونے والی تبدیلی اور تغیر کے اٹل قوانین کی پذیرائی کھل کر سامنے آتی ہے۔فیض کے نزدیک شاعر کا کام مشاہدہ ہی نہیں، مجاہدہ بھی ہے۔فیض کے یہاں آزادی فکر کا مفہوم اس نقطہ نظر کی تائید ہے جو فرد کو ہر قسم کے بے جا جبر سے نکلنے کا شعور بخشے اور محض خون کے رگوں میں دوڑنے کے بجائے آنکھ سے ٹپکائے اور انسانی فکر کو عزت دے کر انسانیت کا علمبردار ہو جائے۔جیلانی کامران 'فیض کی شاعری کا انسانی اور آفاقی شعور' میں لکھتے ہیں:

فیض نے اپنے وطن پاکستان کے ساتھ جس انداز میں محبت کی تھی وہ گہری اور عجیب تھی۔ایسی محبت بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔"(۱۴)

اسلامی ری پبلک پاکستان کے آئین میں فرد کی جس آزادی اور حقوق کے تحفظ کی بات کی گئی ہے۔پاکستانی قوم کے فرد کو مارشل لاء، زمیندار، قبائلی سردار اور مذہب کی حقیقی روسے ناآشنا ٹھیکیداروں کے دباو میں دیکھ کر انھیں تو صبح آزادی بھی اداس لگتی ہے۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر

وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر

چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں (۱۵)

فیض غالب سے اپنی جس عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اس میں سے ایک بڑی وجہ وسیع المشرقی کٹر پن کی مخالفت اور انسان دشمن سماجی ہتھکنڈوں سے برسرپیکار ہونے کی انقلابی سوچ ہے۔ یہاں غالب اور فیض کے اشعار میں یک رنگی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

درد دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلادوں

انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا (۱۶)

اور کچھ ایسی ہی بات فیض یوں کرتے ہیں:

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے

کہ خون دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے

لبوں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے

ہر ایک حلقہ زنجیر میں زباں میں نے (۱۷)

خصوصاً قیام پاکستان کے بعد اور آمریت اور جبر کے شکنجوں میں اپنے ہم وطنوں کو جکڑا دیکھ کر وہ بے ضابطوں کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتے ہیں:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں

چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے (۱۸)

فیض بھی غالب کی طرح اور تخریبی قوتوں مذہبی جنوں اور نسلی انتہا پسندی کو ہوا نہیں دیتے۔ وہ بھی غالب کی طرح گل و بلبل کی باتوں پر فریفتہ ہونے پر شعری اظہار کا اختتام نہیں کرتے بلکہ کوئے یار سے نکل کر سوئے دار جانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب کچھ لوگ طاقتور ہو جاتے ہیں تو فرد کو دبا دیا جاتا ہے اس لئے معاشرے میں استبداد کی ہر صورت حال کے خلاف لکھنا ادراک اور شعور دینا بھی لازمی ہے۔ یض کی ایسی انقلابی سوچ کی حامل نظموں کی ایک طویل فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔ اصغر علی انجینئر لکھتے ہیں:

"آج ہم پہ یہ حقیقت اچھی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آزادی فکر اور آرزوہائے رنگارنگ سے ہی
صحیح معنی میں انسانی وجود مالامال ہوتا ہے اور غالب ان دونوں باتوں پر زور دیتے ہیں اور یوں ہمارے
عہد کے لئے بھی زبردست اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔"(۱۹)

یہ اور بات ہے کہ شاعر کی حریت فکر کی توانا آواز ہر دور میں استحصال کرنے اور فرد کو کچلنے والا نظام ظلم کی گونج میں نقار خانہ میں طوطی کی آواز بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد علی صدیقی غالب اور فیض کے خوابوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فیض احمد فیض نے غالب کے تتبع میں استحصال سے عاری جس سماج کا خواب دیکھا تھا وہ
ہمارے یہاں ابھی تک ایک خواب ہی ہے۔"(۲۰)

ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی رائے تصویر کا ایک رخ ہے اس سے مکمل اتفاق ممکن نہیں کیونکہ ترقی پسند نقادوں کے نزدیک شاعر کا کام انسانی بھلائی کے خوابوں کو عام کرنا اور ان کے پورے ہونے کے امکانات کو روشن رکھنا ہے۔ یہ فریضہ غالب اور فیض نے خوب نبھایا ہے:

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چند چاک گریباں ہوئے تو ہیں (۲۱)

یہاں یہ ذکر بھی ناگزیر ہے کہ غالب اور فیض فرد کی آزادی کو کچلنے والی استحصالی قوتوں کے خلاف متنوع اور ہمہ گیر انداز سے صف آراء ہونے کے ساتھ ساتھ ناسازگار ماحول میں بھی خوش آئند مستقبل کی آرزو کو زندہ رکھتے ہیں اور تخریبی قوتوں مذہبی جنون اور نسلی انتہاپسندی کو ہوا نہیں دیتے۔ ڈاکٹر علی مدیح ہاشمی اپنے مضمون "تشدد کی نفسیات اور فیض کی شاعری"(۲۲) میں سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا فیض کی شاعری میں تشدد، سماج میں عدم تشدد کے فلسفہ حیات کی جانب اشارہ کرتی ہے؟ اس کا جواب وہ اثبات میں دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں تہذیب اور شائستگی فیض کی تربیت کا حصہ تھی اس لیے ان کی فکری آزادی کے تصور میں تخریب شامل نہیں۔ غالب کی شخصیت کے تہذیبی شعور بھی انکار ممکن نہیں۔ آج سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا آزادی فکر کے نام پر جو مایوس کن انتشار پسند اور تخریبی رویے عام کر رہا ہے اس کا غالب اور فیض کے تصور حریت فکر سے تعلق نہیں جوڑا جا سکتا۔ چناچہ غالب اور فیض کی حریت فکر میں موجزن ان کی تعمیری سوچ کا اجاگر ہونا بھی ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمس الرحمن فاروقی۔ اردو شاعری پر غالب کا اثر، مشمولہ: فنون، احمد ندیم قاسمی (مدیر)، لاہور: شمارہ نمبر ۲، ۱، ۱۹۶۹ ۔ ص ۱۱۱، ۱۱۰

۲۔ اسد اللہ خاں غالب۔ دیوانِ غالب، نسخہ عرشی: (مرتبہ) امتیاز علی خان عرشی۔ نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، س ن۔ ص ۲۳۹

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۲ ۳

۴۔Mehmood Sham.Indifference in the times of extremism. Karachi:paramount books,2017.pg 9,10

۵۔اسداللہ خاں غالب۔دیوانِ غالب، نسخہ عرشی: (مرتبہ)امتیاز علی خان عرشی۔ص۳۲۵

۶۔ایضاً۔ص۱۶۱

۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر۔ غالب اور فیض، مشمولہ ادبیات فیض نمبر، فخر زمان(مدیر)۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات، شمارہ ۸۲، جنوری تا مارچ، ۲۰۰۹۔ص۲۶

۸۔ اسداللہ خاں غالب۔دیوانِ غالب، نسخہ عرشی: (مرتبہ)امتیاز علی خان عرشی۔ص۳۱۸

۹۔ایضاً۔ص۲۵۱

۱۰۔ایضاً۔ص۱۸۷

۱۱۔ایضاً۔ص۲۳۵

۱۲۔ڈاکٹر محمد علی صدیقی۔غالب اور آج کا شعور۔کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۰۴۔ص۱۲۹

۱۳۔شمس الرحمن فاروقی۔اردو شاعری پر غالب کا اثر، مشمولہ، فنون۔احمد ندیم قاسمی (مدیر)ص۱۰۷

۱۴۔جیلانی کامران، فیض کی شاعری کا انسانی اور آفاقی شعور، مشمولہ علامت، ضیا جالندھری (مدیر)، لاہور: شمارہ نمبر ۱۰، اگست ۱۹۹۱۔ص۹

۱۵۔فیض احمد فیض۔نسخہ ہائے وفا۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵۔ص۲۰

۱۶۔ایضاً۔ص۱۸۶

۱۷۔ایضاً۔ص۱۱

۱۸۔ایضاً۔ص۶۵

۱۹۔اصغر علی انجنیئر۔ عہد جدید میں غالب کی معنویت، مشمولہ، غالب نامہ، نذیر احمد (مدیر) نئی دہلی: جولائی ۱۹۸۷۔شمارہ ۲۔ ص۱۱۶

۲۰۔محمد علی صدیقی، ڈاکٹر۔غالب اور آج کا شعور۔ ۱۳۵

۲۱۔فیض احمد فیض۔نسخہ ہائے وفا۔ص۳ ۶

۲۲۔ علی مدیح ہاشمی، ڈاکٹر ۔ تشدد کی نفسیات اور فیض کی شاعری، مشمولہ، موجودہ عالمی استعماری صورت حال(مرتبہ)، شیخ عبدالرشید۔گجرات: یونیورسٹی آف گجرات، ۲۰۱۱۔ص۱۰۸،۱۰۸